# تہذیبوں کا تصادم اور فکرِ اقبال


عثمان غنی رعد

استاد شعبۂ اُردو

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد


تہذیب کا لفظ سنتے ہی کانوں میں ایک طرح کی نرمی، مٹھاس اور رس بھری آواز کا خیال اترتا ہے۔اور دماغ اپنے تمام تر خیالات کے ساتھ شائستگی، سلیقگی، ہنرمندی اور طرح داری کی پرکشش شیشہ گری کی طرف مائل بہ االتفات نظر آنے لگتا ہے۔

مگر امتدادِ زمانہ اور مرورِ ایام کے تغیرات نے سوچوں، خیالوں، وہموں، یقینوں اور اعتماد کی دولت پر یوں تابڑ توڑ حملے کیے کہ ہر ثبات خود اپنی جڑیں کھو کھلی کر بیٹھا۔ صدیوں سے ایستادہ لفظی معنوی کیفیت نے گلوبل ولیج کی بدولت زبانوں، انسانوں، خیالوں، جذبوں پر اتنے کاری وار کیے کہ ہر نشتر سے اکائی، دوئی اور پھر مسلسل توڑ پھوڑ سے بے معنویت کی فضا میں بدل گئی۔ لفظ کو اپنی ذات اور پھر معنی میں کئی تبدیلیاں رونما ہوتی نظر آنے لگیں۔ کبھی لفظ کو املا، جنس، تعداد اور معنی جیسے مسائل سے واسطہ تھا مگر زمانے کے بدلتے ہوئے آفاقی منظر نامے میں لفظ اپنے لفظی معنی سے ہٹ کر اپنے تناظرِ مستعملہ میں یوں الجھا کہ اسے جدیدیت، مابعد جدیدیت، ساختیات، پس ساختیات اور علامت جیسے کئی بڑے بڑے اور گہرے آگ کے سمندر عبور کرنے پڑے اور وہ بھی ڈوب کر۔ اس سے لفظ کی اہمیت بڑھی اور لفظ ایک جاندار اکائی کی طرح زمانے میں انسانوں کے درمیان گردش کرنے لگا اور یہ وہی لفظ ہے جو کندن بننے کے تقریباً تمام مراحل طے کرتا نظر آتا ہے۔

انھی لفظوں کو بہترین طریقے سے استعمال کرنے والے اشخاص ہی نابغہء روزگار کہلاتے ہیں۔ جن کے استعمال شدہ الفاظ جتنے اپنے زمانے میں کارگر ثابت ہوتے ہیں اتنے ہی بعد میں آنے والی نسلوں اور مجتہد اللفظ شعرا و مصنفین کے ہاں نئی نئی بحثوں کے در وا کرتے ہیں اور انھیں ماضی کی بسا کھی پکڑ کر مستقبل میں خود دار ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔ کیوں کہ جو بہتر نقال ہوتا ہے وہی بہتر فنکار ہوتا ہے اور نقل ہی اختراع کے تمام مدارج طے کرواتی ہے تہذیب بھی نقل ہی کا ایک عمل ہے۔ اسی طرح ہم نابغۂ روزگار، جوہر شناس اور درنایاب شخص علامہ محمد اقبالؒ کا قلم زد لفظ تہذیب اور تہذیبی فکر کی روشنی کو عالمی تہذیبی فکر میں دیکھنے کی کوشش کریں گے۔

" تہذیب" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی "درستی، اصلاح، شائشتگی اور نقائص و زوائد سے پاکیزگی" کے ہیں(1) اوکسفرڈ اردو انگریزی لغت میں تہذیب کیلئے Corecting,Culture,Civilization,Pruning، , efinementR اور Politeness , , Good breeding" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔(۲)۔ قومی انگریزی اردو لغت جسے اردو کے مایاناز محقق و نقاد جمیل جالبی نے مرتب کیا ہے، میں "Civilization" کیلئے درج ذیل معانی رقم کیے ہیں: تمدن، مدنیت، تہذیب و تمدن، اصلاح، تربیت، درستی، انسانیت اور شائشتگی" وغیرہ(۳)۔

مندرجہ بالا تعریفوں اور معانی کو مد نظر رکھیں تو پتا چلتا ہے کہ تہذیب انسانی معاشرے کی وہ حالت ہے جس کی بڑی خصوصیت تمدنی، تکنیکی، ذہنی اور معاشرتی ترقی ہے۔ اور اسی ترقی سے حاصل ہونے والی آسائشیں ہی مہذب ہونے کا ثبوت ہیں۔ اگر اقبال کا زمانہ دیکھیں تو ہمیں محکومیت کی فضا، مذہبی بے بسی، اپنے اسلاف کی اقدار سے انحرافی، پہلی جنگ عظیم کا پُر آشوب دور، خلافت تحریک، بالشویک انقلاب، خلافتِ عثمانی کا زوال، مسلمانوں کی زبوں حالی اور آزادی کی پیہم جدوجہد اور ان کے اثرات پورے برصغیر میں روز افزوں ہوتے نظر آتے ہیں۔

اقبال نے نہ صرف اسلامی فکر، یونانی فلسفہ اور رومی سیاست سے تدبرانہ موتی سمیٹے بلکہ مغربی اقدار کو بھی بنظر غائر دیکھا اور عمیق گہرائیوں میں غوطہ زن ہو بتلایا کہ مغرب کے صدف میں گہر موجود نہیں، گر ہے بھی تو ناقص الفکر اور سطحی ہے۔ مغربی تہذیب کے اسرار و رموز، فلسفہ، شعر و ادب، سیاسی مادہ پرستانہ مزاج، جانبدرانہ قومیت و وطنیت کا نظام اور خود پسند و حُب جاہ والی عصبیت کو بھی دیکھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی کمزور و لاغر پہلو ان کے سامنے رہے۔ اقبال کے ہاں وہ تمام چیزیں مطالعہ یورپ سے خود بخود پیدا ہو گئیں جن کی ضرورت تھی۔ مثلاً جرات مندانہ نقطۂ نظر، غیر تقلیدی ذہن و فکر، فلسفۂ قلب و نظر میں فساد اور تضاد کو گہرائی سے جاننا۔ جس نے

قلب انسانی سے الوہیت کا اعلیٰ وارفع مقامِ نہایت چھین لیا تھا۔ "ضرب کلیم" میں مغربی تہذیب کے بارے میں فرماتے ہیں:

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب

کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

رہے نہ رُوح میں پاکیزگی تو ہے ناپید

ضمیر پاک وخیال بلند وذوقِ لطیف

وہ یورپ کی ترقی اور چکاچوند سے متاثر نہیں ہوتے۔ بلکہ اس روشنی کو تہذیب کا زوال اور فیکٹریوں کے دھوئیں میں انسانیت کی تاریکی دیکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

یہ عیش فراواں، یہ حکومت، یہ تجارت

دل سینہ بے نور میں محرومِ تسلی

تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے

یہ وادی ایمن نہیں شایانِ تجلی

ہے نزع کی حالت میں تہذیب جواں مرگ

شاید ہوں کلیسا کے یہودی متولی!

اقبال کی دور اندیشی اور عمیق نظری ہے کہ عین عالمِ شباب میں تہذیب کو موت کی ہچکیاں لیتے دیکھ رہے ہیں۔ اقبال اس لا دینی مغربی تہذیب کی اساس کو دین و اخلاق کی دشمن اور عقلیت کے لیے مسدودیت قرار دیتے ہیں۔

"مثنوی پس چہ باید کرد" میں فرماتے ہیں کہ لا دین اور بے خدا تہذیب ہمیشہ سے ہی اہل اللہ اور اہل حق سے دست و گریباں رہی ہے۔ ان کے قلب میں تاریکی اور ذہنوں میں نت نئے بت تشکیل ہوتے رہتے ہیں۔ اور ذہن و نظر سے آسودگی تو کیا قلب سے قلب جیسی عظیم نعمت ہی چھن کے رہ جاتی ہے۔ اور انسان بے قیمت ہو کے رہ جاتا ہے۔

لیکن از تہذیب لادینی گریز

زاں کہ او با اہلِ دل دارد ستیز

فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد

لات و عُزیٰ در حرم باز آورد

از فسونش دیدہِ دل نابصیر

روح از بے آبی او نشہ میر

لذت بے تابی از دل می برد

بلکہ دل زیں پیکرِ گل می برد

کہنہ دزدے غارت او برملاست

لالہ می نالد کہ داغِ من کجاست

مغربی تہذیب کا مقصد تجارت، پیشہ، پیسہ اور مال و جائیداد کی ہوس ہے اور یہی وہ ساری چیزیں ہیں جن سے انسان روحانی اقدار سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ اقبال ہی کی دور اندیشی تھی کہ انھوں نے برملا کہا تھا کہ ایسی تہذیب کے ہوتے ہوئے دنیا میں کبھی امن، سلامتی اور آشتی کا دور نہیں آسکتا۔ کیوں کہ یہ اپنی ہوس کو بجھانے کے لیے انسانوں کا قتل و خون کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتے

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست

چشم او بنظر بنور اللہ نیست

او ند انداز حلا و حرام

حکمتش خام است و کارش ناتمام

امتے بر امتے دیگر چرد

دانہ ایں می کارد آں حاصل برد

از ضعیفاں ناں ربودن حکمت است

از تن شاں جاں ربودن حکمت است

اس بات میں شک نہیں کہ اقبال مغربی تہذیب میں رہے اور وہیں سے اپنے خیالات کو اپج دی مگر اقبال کا کمال اس بات میں نظر آتا ہے کہ وہ گندگی میں رہ کر پراگندہ نہیں ہوئے بلکہ جوہڑ سے کنول کے پھول اتار کے مشرق میں لے آئے۔ مغربی تہذیب کے کمال و ہنر و علم کی روشنی تو کمال کو پہنچ چکی ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ اس تہذیب سے کسی ایک شخص کو فائدہ پہنچے تو لاکھوں موت کے گھاٹ اترتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ علم و حکمت، سیاست و

حکومت جس پر یورپ بہت نازک کرتا ہے یہ بالکل خالی خولی مظاہر ہیں ان کی حقیقت اور اساسی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ اور ان کی پہنچ فقط کمالات برق و بخارات تک محدود ہیں کیوں کہ ان کے پاس فیضان سماوی نہیں۔ لکھتے ہیں:

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے

حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

رعنائیِ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں

گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے

سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت

پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس

کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات؟

وہ قوم کے فیضانِ سماوی سے ہو محروم

حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

اقبال نے مغربی تہذیب پر جہاں تنقید کی ہے وہیں مشرقی لوگوں کی بے حسی اور مغربیت پسندی کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ اقبال جس تہذیب کو اصل اور سچی تہذیبِ انسانی قرار دیتے ہیں وہ اسلامی تہذیب ہے۔ کیوں کہ وہ ساری تخریب پر مبنی قوتوں اور تہذیبوں کی شر کے خانے میں اور تعمیری تہذیبوں اور قوتوں کو خیر کے خانے میں رکھتے ہیں۔ اور ازل سے ہی ان دونوں کے درمیان کشمکش کو خیر اور شر کی کشاکشِ ہائے ہو سمجھتے ہیں:

بانگِ درا میں لکھتے ہیں:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی

یہاں چراغِ مصطفوی سے مراد خیر اور شرار بولہبی سے مراد شر ہے دو اور شعر دیکھیے:

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید

ایں دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوتِ شبیری است

باطل آخر داغِ حسرت میری است

اقبال پوری انسانی تاریخ اور تہذیب کو حق و باطل کی آویزش کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ اور یہیں وہ اپنے تہذیبی نظریئے کی وضاحت اور تصدیق کرتے نظر آتے ہیں۔ کہ جتنی شر کی قوتیں اور تہذیبیں ہیں وہ زوالِ آدم و آدمیت کا درس دیتی ہیں اور جتنی خیر کی تہذیبیں اور قوتیں ہیں عروجِ آدم و آدمیت کا درس دیتی ہیں اور ایسی تہذیب یقناً اسلامی تہذیب ہے جس میں انسان کا احترام اور عزت ملحوظ رکھی جاتی ہے۔

"مثنوی پس چہ باید کرد" میں مغربی تہذیب کی یوں پردہ دری کرتے ہیں:

شیوہ تہذیبِ نو آدم دری است

پردہِ آدم دری سوداگری است

ایں بنوک ایں فکر چالاک یہود

نورِ حق از سینہ آدم ربود

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام

دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

اور ایسی تہذیب سے روح و بدن میں تصادم ضرور پیدا ہو جاتا ہے اس کی طرف بھی اقبال نے اشارہ کیا ہے:

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش

تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

اس بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"نئی تہذیب کا خاص نشانہ وہ انسان ہے جو اس کی گرمیٔ بازار کا سبب اور اس کی تجارت کا آلۂ کار ہے۔ یہ بلند معیارِ زندگی اور بڑھتے ہوئے مصارف ان چالاک یہودیوں کے مکر کی پیداوار ہیں جس نے بنی آدم کے دل سے حق کی روشنی چرا لی ہے، عقل، تہذیب اور دین و مذہب اس وقت تک محض خواب ہیں جب تک یہ موجودہ نظام سرے سے نہیں بدل دیا جاتا۔"(۴)

اقبال نے اپنی معاصر یورپی تہذیب کے لیے کہیں فقط " تہذیب" کہیں "تہذیبِ نو"، کہیں "تہذیبِ مغرب"، کہیں "تہذیب جدید" اور کہیں "تہذیب حاضر" جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں اور اس کے منفی اور انسان کش عناصر کی نشاندہی بھی کی ہے۔ اقبال کے مطابق یہ تہذیب روشن چہرہ تو رکھتی ہے مگر چنگیز ایسا باطن بھی رکھتی ہے۔ اس کا مقصود آدم دری ولادینیت ہے:

؎ تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب

کہ تہذیب فرنگی بے حرم ہے

اور اس تہذیب کے مقابل وہ جانتے تھے کہ اسلامی تہذیب ہی بہتر تہذیب ہے جس نے احترامِ آدم کا درس دیا ہے اور اسی لحاظ سے اقبال کے تصورِ تہذیب کا نقطۂ عروج احترامِ آدم ہے۔ "جاوید نامہ" میں لکھتے ہیں:

برتر از گردوں مقامِ آدم است

اصل تہذیب احترامِ آدم است

اگر اسی تناظر میں دیکھا جائے تو ہمیں شروع میں مذکورہ تہذیبی تعریفوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک ایسی مثالی تہذیب کی ضرورت ہے جس میں احترام آدمیت اپنے بام عروج کو پہنچ جائے۔ جو کہ اقبال کا تہذیبی نظریہ ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر طاہر حمید تنولی نے اپنی کتاب "معاصر تہذیبی کشمکش اور فکرِ اقبال" میں اقبال کی کی نسبت سے بتایا ہے کہ مغربی تہذیب ایک مثالی تہذیب قرار نہیں پاتی جبکہ اسلامی تہذیب مثالی تہذیب کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ لکھتے ہیں:

"اسلامی تہذیب ایک واضح نظریاتی اساس رکھتی ہے جو توحید و رسالت ہے۔ اس کا تمام نظریہ حیات، تصورِ کائنات اور اجتماعی نصب العین اس نظریاتی اساس سے پھوٹتا ہے۔ یعنی اسلامی تہذیب کی نظریاتی اساس اس کی اجتماعی ملی زندگی کی فکری و عملی تفصیلات سے الگ نہیں۔ رب العالمین، رحمتہ اللعالمین اور ذکر للعالمین سے وابستہ ہوتے ہوئے اس کا اجتماعی نصب العین توحید کو فروغ دیتے ہوئے ایک ایسے انسانی معاشرے کا قیام ہے جو نفسِ واحدہ کے اصول پر قائم اور روحانی جمہوریت کی اعلیٰ انسانی اقدار کا مظہر ہو۔"(۵)

تہذیبوں کے تصادم کی مجموعی صورتِ حال دیکھی جائے تو سقوطِ روس کے بعد مغرب کو بلاواسطہ جس سے خطرہ ہے وہ اسلام ہے اور یہی وجہ ہے کہ مختلف حیلے بہانوں سے امریکا مختلف اسلامی ممالک کو نوکِ سناں پہ رکھے ہوئے ہے اور وہاں کے معدنی وسائل کو بھی سمیٹتا چلا جارہا ہے۔ بدقسمتی سے مغرب کے پاس دولت اور طاقت ہے مگر کوئی خاص ویژن نہیں اور اس نے اسلام کو رحمت کا مذہب دیکھنے کے بجائے اپنا حریف سمجھ لیا اور یہیں سے تصادم نے جنم لیا۔ اقبال نے "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں اس کا اظہار بھی کیا ہے:

؎ جانتا ہے، جس پہ روشن باطنِ ایام ہے

مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے

تہذیبوں میں تصادم تک بڑھتا رہے گا جب تک عیسائی اور مسلمان مذہبی، سیاسی اور تہذیبی بنیادوں پر مشترک پہلوؤں پر مذاکرات نہیں کر لیتے تاکہ ایک بڑا کلچر قایم ہو سکے اور تہذیبی تصادم کے بجائے ایک تہذیبی اکائی حاصل ہو۔

## حوالہ جات


(۱) وحیدالزماں قاسمی، مولانا، ، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۱۷۵۳

(۲) رؤف پاریکھ، اوکسفرڈ اردو انگریزی لغت، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء ص ۳۷۸

(۳) جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص۔ ۳۶۳

(۴) سید ابو الحسن ندوی، مولانا، "اقبال اور مغربی تہذیب وثقافت" مشمولہ "نقوشِ اقبال" سروسز بک کلب، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص۔ ۳۷

(۵) طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر، "معاصر تہذیبی کشمکش اور فکرِ اقبال" اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۴۲۰